کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہجرت کے بعد بنی اسماعیل کے قِبۡلَةَ کو تمام اقوام کیلئے قِبۡلَة مقرر فرمانے کا مقصد امت وسطا کو وجود دینا تھا؟

آقائے نامدار ﷺ نے آغاز دعوت کے تیرہ سال بعد تک ام القریٰ اور اس کے نواح میں مسلسل دعوت حق دی تو اس کے نتیجے میں ایک گروہ متقین کہلایا جو کائنات کے صادق اور امین، آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کے کہنے پر ایمان لائے، نماز قائم کی اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کیا۔اور دوسرے گروہ کے متعلق بتایا

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَأَنذَرۡتَهُمۡ أَمۡ لَمۡ تُنذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُونَ ﴿٦﴾

''جن لوگوں نے (آپ ﷺ کو صادق اور امین جاننے اور ماننے کے باوجود محض ہٹ دھرمی، فسق سے) دعوت کو ماننے سے انکار کیا ہے ان کیلئے برابر ہے کہ آپ انہیں خبردار کریں یا نہ کریں وہ ایمان لانے والے نہیں'' (حوالہ البقرۃ۔۶،۳)

سچائی اور حقیقت کا انکار کرنے والوں میں سے ایسے لوگ جن کے دل و دماغ میں فسق چھایا ہوتا ہے، ان پر کوئی دلیل اور ثبوت اثر نہیں کرتا

كَذَٰلِكَ حَقَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى ٱلَّذِينَ فَسَقُوٓاْ أَنَّهُمۡ لَا يُؤۡمِنُونَ ﴿٣٣﴾

''اس طرح تیرے رب کی بات فسق کرنے والوں کے متعلق ثابت ہوگئی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے'' (یونس۔۳۳)

إِنَّ ٱلَّذِينَ حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُونَ ﴿٩٦﴾

''جن لوگوں کے متعلق تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے'' (یونس۔۹۶)

ایسے لوگوں کے متعلق سورۃ یٰس کی آیت ۷ میں بتایا گیا:

لَقَدۡ حَقَّ ٱلۡقَوۡلُ عَلَىٰٓ أَكۡثَرِهِمۡ فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُونَ ﴿٧﴾

''بے شک ان میں سے اکثر کے متعلق بات ثابت ہو چکی ہے اس لئے وہ ایمان نہیں لاتے''۔ اور پھر آیت ۱۰ میں فرمایا

وَسَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَأَنذَرۡتَهُمۡ أَمۡ لَمۡ تُنذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُونَ ﴿١٠﴾

''اور ان کیلئے برابر ہے کہ آپ انہیں خبردار کریں یا نہ کریں وہ ایمان لانے والے نہیں''۔

آقائے نامدار ﷺ کی ام القریٰ میں دعوت کے جواب میں لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ایک ماننے والے (مومن، مسلمان) اور دوسرے انکار کرنے والے (کافر)۔

انکار کرنے والوں کا انکار کسی دلیل یا اصول پر مبنی نہ تھا۔ جنہیں اپنی دلیل اور اصول پر یقین اور صداقت پر بھروسہ ہو وہ دوسرے کی دعوت سے خائف نہیں ہوتے اور نہ انہیں ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے خلاف سازشیں کریں۔ ہٹ دھرمی سے انکار کرنے والوں کو

اپنے اندر کے جھوٹ کا علم ہوتا ہے اور دعوت کی سچائی سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔ مشرکین مکہ اسی صورتحال سے دوچار تھے اور سازشیں کرنے لگے:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ ٱللَّهُ ۖ وَٱللَّهُ خَيْرُ ٱلْمَٰكِرِينَ ﴿٣٠﴾

''اور جب آپ (ﷺ) کے بارے میں کافر سازشیں کررہے تھے کہ آپ کو قید کرلیں، یا قتل کردیں، یا (شہر سے) نکال دیں۔ اور جب وہ سازشیں کررہے تھے تو اللہ اپنی تدبیر کررہا تھا اور اللہ بہترین (بھلائی کی کامیاب) تدبیریں کرنے والا ہے'' (الانفال۔٣٠)

ٱلْمَكْرُ (مادہ 'م ک ر'') کے معنی خفیہ منصوبہ، سازش، فریب، چال ہیں۔ یہ مثبت معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جب منصوبہ بھلائی اور خیر پر مبنی ہو تو تدبیر کہلاتا ہے۔ چال چلنے سے پہلے سوچی اور ترتیب دی جاتی ہے۔ سازش پہلے تیار کی جاتی ہے اور پھر اس پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ منصوبہ بنایا جاتا ہے اور پھر اسے عملی جامہ پہنایا جاتا ہے۔ اور سازش کا علم ہونے پر ہی اسے ناکام کرنے کی تدبیر کی جاتی ہے۔ کوئی بھی سازش یا منصوبہ اور تدبیر تن تنہا بھی کی جاسکتی ہے لیکن اگر تدبیر کسی دوسرے کے حوالے سے کی جا رہی ہو تو منصوبے یا تدبیر پر عمل درآمد کیلئے اسے بھی اعتماد میں لے کر منصوبہ بتانا اور سمجھانا پڑتا ہے۔

وَٱللَّهُ خَيْرُ ٱلْمَٰكِرِينَ ''بیشک اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے''۔ ''خیر'' ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو سب کو مرغوب ہو نیز مفید چیز ہو۔ ابن فارس کے نزدیک اس کے بنیادی معنی میلان اور جھکاؤ کے ہیں۔ چونکہ دو چیزوں میں سے جسے اختیار کیا جاتا ہے وہ بہر حال دوسری چیز سے بہتر ہوتی ہے اس لئے خیر کا لفظ شرف و برتری، فضیلت و کرم کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں لفظ 'خیر' فتنہ اور شر کے مقابل استعمال ہوا ہے۔ اس سے ہمیں اندازہ ہو جانا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ کی نسبت سے لفظ 'ٱلْمَكْرُ' استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی اور مفہوم اس ٱلْمَكْرُ سے متضاد اور مختلف ہوتے ہیں جو بدبختوں اور کفار کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

وَٱللَّهُ خَيْرُ ٱلْمَٰكِرِينَ قرآنِ مجید میں صرف دو مقام پر کہا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ سورۃ آلِ عمران کی آیت ۵۴ میں جب عیسیٰ علیہ السلام کو اس سازش سے بچانے کا ذکر ہوا جو بنی اسرائیل کے کفار گروہ نے انہیں قتل کروانے کیلئے تیار کی تھی۔ دوسری مرتبہ یہ سورۃ انفال کی آیت ٣٠ میں آیا ہے جہاں ان سازشوں کا ذکر ہوا ہے جو آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کے خلاف کفار مکہ کر رہے تھے کہ رسولِ کریم ﷺ کو کسی طریقہ سے قید کرلیا جائے، یا قتل کردیا جائے، یا شہر بدر کردیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کی سازش، ارادے اور ناپاک منصوبے کو ناکام بنانے کیلئے تدبیر فرمائی اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ وہ تدبیر یہ تھی کہ آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ مکۃ المکرّمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرما جائیں۔ رسولِ کریم ﷺ کی ہجرت کی راہ میں حائل دشواریوں کی اگر ہمیں سمجھ آجائے تو پھر اللہ کی تدبیر کی خوبصورتی، نزاکت، باریکی کی منتہا کا ادراک کرنے میں آسانی ہوگی۔ ایک ایسی ذات اقدس کو مکۃ المکرّمہ کی وادی میں سے بحفاظت نکال لے جانا کیونکر ممکن تھا جن پر ہمہ وقت تمام دشمن اور مقتدر قبائل کی نگاہیں مرکوز ہوں؟ اُس وقت کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے دنیا کے تمام منصوبے باز اور تھنک ٹینک مکۃ المکرّمہ سے ایک ہستی کو بحفاظت باہر لے جانے کا کوئی پلان سوچنا شروع کریں تو احساس ہوگا کہ یہ کس قدر مشکل اور پیچیدہ مسئلہ تھا اور پھر اللہ کی تدبیر کی باریکیوں، لطافتوں اور نفاستوں کا شاید کچھ اندازہ ہو جائے۔ آقائے نامدار، رسولِ کریم ﷺ کی ہجرت زمانہ قبل کے دوسرے تمام رسولوں سے زیادہ پیچیدہ اور باریک مسئلہ تھا۔

رسولِ کریم ﷺ کی ہجرت میں ایک پیچیدگی اور رکاوٹ وہ امانتیں بھی تھیں جو ان کے پاس تھیں۔ اللہ کے دین کی عمارت جن ستونوں پر استوار کی جا رہی تھی وہ آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کی صداقت اور امانت ہیں۔ اگر رسولِ کریم ﷺ لوگوں کو امانتیں لوٹانا شروع کر دیتے تو یہ بات کفار کو خبردار اور چوکنا کرنے کے مترادف ہوتی لیکن اگر آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ امانتیں لوٹانے کا انتظام کئے بغیر مکۃ المکرّمہ چھوڑ جاتے تو اگلے دن ایک ستون (امانت) دھڑام سے زمین پر آن گرتا۔ اس انتہائی باریک نکتے کو ذہن میں رکھیں تو اس مقام و مرتبہ اور عظمتوں کا اندازہ ہوگا جن پر امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فائز ہیں۔ آقائے نامدار ﷺ نے انہیں یہ شرف بخشا کہ بستر مبارک پر رات گزارنے اور صبح امانتیں لوٹانے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے آنے کا حکم دیا۔ اس رات سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقدر اوج ثریا پر تھا اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس رات لکھ دیا گیا تھا کہ اللہ کے دین کی عمارت کی بنیادوں کی مضبوطی اور استقامت کیلئے ان کا خون درکار ہوگا۔ باب العلمؓ اس نکتے میں نہیں الجھے کہ رسولِ کریم کو علم غیب ہے یا نہیں کیونکہ انہوں نے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ ''یارسول اللہ! چھوڑ کر جارہے ہیں اس بستر مبارک پر جسے مکہ کے تمام قبائل مقتل گاہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں اور پھر بھی فرما یہ رہے ہیں کہ میں امانتیں لوٹا کر کل مدینہ آجاؤں''۔ امیر المومنین کے ایمان اور یقین کو دیکھ کر کائنات جھوم اٹھی ہوگی۔ آسمانوں اور ستاروں نے ان پر ٹھنڈی چاندنی نچھاور کی، ہواؤں اور خوشبوؤں نے تھپکیاں دیں اور اس سکون اور طمانیت کی نیند سوئے جو ہمیشہ ان کی یادوں میں بسی رہی۔ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمارا سلام ہو صبح و شام۔ اور اس رات اللہ کے حبیب آقائے نامدار ﷺ کے دوست کا مقدر آسمان کے ابواب کے اس پار جا رہا تھا کہ اللہ کے دین کی تکمیل کے سفر میں اللہ کے رسول کی ایسی رفاقت میسر آئی جس نے انہیں ''یارِ غار'' بھی بنا دیا إِذْ أَخْرَجَهُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ثَانِيَ ٱثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِى ٱلْغَارِ ''جب کافروں نے انہیں نکال دیا تھا تو ان کا ایک ہی ساتھی تھا۔ غار میں وہ دو ہی تھے'' (حوالہ التوبہ۔ ۴۰)۔ امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمارا سلام ہو صبح و شام۔

اور سِرَاجًا مُّنِيرًا مدینہ میں طلوع ہوا اور اسے منور کر دیا اور اس وقت کے کفار مکہ سے زیادہ بدقسمت شاید کوئی نہیں جنہوں نے نور کھو دیا اور گھپ اندھیروں میں ڈوب گئے۔ اور مدینہ کے باسیوں سے زیادہ خوش قسمت کون ہوگا جن کے پاس نور چل کے آیا۔ آقائے نامدار ﷺ کے قلب مبارک پر قرآنِ مجید نازل ہوا اور قلب مبارک اس کا امین ہے جو نور ہے۔

وَٱتَّبَعُوا۟ ٱلنُّورَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ مَعَهُۥٓ ۙ ''اور اس نور (قرآنِ مجید) پر چلے جو ان (آقائے نامدار ﷺ) کے ساتھ نازل کیا گیا'' (حوالہ الاعراف۔۱۵۷) وَٱلنُّورِ ٱلَّذِىٓ أَنزَلْنَا ۚ ''اور اس نور (قرآنِ مجید) پر جو ہم نے نازل کیا'' (حوالہ التغابن۔۸)۔ جس ہاتھ نے نور (الواح توریت) تھاما ہو لوگوں کی نگاہوں میں روشن چمکتا ہے اور جس قلب میں نور ہو اس جسم کی رگوں میں نور دوڑتا ہے اور وہ سراپا سِرَاجًا مُّنِيرًا ہوتا ہے جو چار سو نور بکھیرتا ہے۔ اور نور بارد (ٹھنڈا) ہوتا ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا کہ سائے کیلئے ثُمَّ جَعَلْنَا ٱلشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا پھر ہم نے سورج (کی روشنی) کو اس (سائے) پر ''دلیل'' بنایا'' (حوالہ الفرقان۔۴۵)۔ سورج کی روشنی میں تپش ہوتی ہے اور چاند کے نور (روشنی) میں ٹھنڈک ہوتی ہے۔ قرآنِ مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے۔

اور مدینہ کے انصار نے اپنے قلب اور گھروں کے ابواب مہاجرین کیلئے کھول دیئے۔ اللہ رب العزت سے زیادہ قدر دان کوئی نہیں۔ انصار کی اس بات کو ہمیشہ کیلئے نہ مٹنے والے الفاظ اور سیاہی سے لکھ دیا

وَٱلْأَنصَارِ ٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ فِى سَاعَةِ ٱلْعُسْرَةِ

''اور ان انصار پر جنہوں نے مشکل وقت میں ان کی اتباع کی تھی'' (حوالہ التوبہ۔۱۱۷)

آقائے نامدار، رسولِ کریم ﷺ نے اپنی زندگی مبارک کے ترپین سال اپنے قرابت داروں بنی اسماعیل کے درمیان بسر کئے اور ان کے سنورنے اور سدھرنے کیلئے تمام مصائب اور تکالیف کو برداشت کیا اور جدا ہوئے بھی تو اس کی وجہ بنی اسماعیل میں سے کفر کرنے والے خود تھے کہ الزام انہی پر تھا کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کو مکۃ المکرمہ سے نکالنے کی سازش کی

وَهَمُّوا۟ بِإِخْرَاجِ ٱلرَّسُولِ ''اور رسول کو باہر نکالنے کی سازش و جسارت کی'' (حوالہ التوبہ۔۱۳)۔

اور اللہ رب العزت نے سِرَاجًا مُّنِيرًا کی کرنوں سے تمام دنیا کو مستفید ہونے کا موقع عطا فرما دیا۔ انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ ٱلرَّسُولُ بِٱلْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَـَٔامِنُوا۟ خَيْرًا لَّكُمْ ۚ

''اے لوگو! تمہارے پاس رسولِ کریم (ﷺ) تمہارے رب کی جانب سے حق لے کر آ گئے ہیں۔

اس لئے ایمان لے آؤ کہ اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے'' (حوالہ النساء۔۱۷۰)

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَكُم بُرۡهَـٰنٞ مِّن رَّبِّكُمۡ وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكُمۡ نُورٗا مُّبِينٗا ١٧٤ (النساء۔۱۷۴)

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور (قرآنِ مجید) نازل کر دیا ہے''

اور آقائے نامدار ﷺ کے جدِ امجد اسماعیل علیہ السلام کے چھوٹے بھائی اسحاق علیہ السلام کی نسل بنی اسرائیل کو بتایا

يَـٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَـٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولُنَا

''اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارے رسول (ﷺ تشریف لے) آئے ہیں۔

يُبَيِّنُ لَكُمۡ كَثِيرٗا مِّمَّا كُنتُمۡ تُخۡفُونَ مِنَ ٱلۡكِتَـٰبِ وَيَعۡفُواْ عَن كَثِيرٖۚ

تمہارے لئے بہت سی ان باتوں کو واضح کرتے ہیں جو تم کتاب میں سے چھپاتے ہو۔ اور بہت سی باتوں سے درگزر بھی کرتے ہیں۔

قَدۡ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٞ وَكِتَـٰبٞ مُّبِينٞ ۝

ہاں! تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور یعنی واضح کتاب آ گئی ہے'' (المائدہ۔۱۵)

مِّلَّةِ إِبۡرَٰهِـۧمَ سے منحرف ہو کر یہود و نصاریٰ میں منقسم ہوئی بنی اسرائیل کی ایک دوسرے کے متعلق خیال اور رائے یہ تھی اور ہے

وَقَالَتِ ٱلۡيَهُودُ لَيۡسَتِ ٱلنَّصَـٰرَىٰ عَلَىٰ شَيۡءٖ ''یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بات پر نہیں

وَقَالَتِ ٱلنَّصَـٰرَىٰ لَيۡسَتِ ٱلۡيَهُودُ عَلَىٰ شَيۡءٖ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی کسی بات پر نہیں''۔ ان دونوں گروہوں کا ایک دوسرے کے متعلق یہ دعویٰ اس کے باوجود ہے کہ وَهُمۡ يَتۡلُونَ ٱلۡكِتَـٰبَۗ ''اور دونوں کتاب پڑھتے ہیں''۔ (حوالہ البقرۃ۔۱۱۳)۔ اور کتاب پڑھنے والے یہودی مشرق کی سمت کو قبلہ سمجھنے اور ماننے والے نصاریٰ کے متعلق کہتے تھے کہ وہ کسی شئے پر نہیں کیونکہ وہ خود ان کے مخالف سمت مغرب کو قبلہ سمجھتے اور مانتے تھے۔ اور مشرق کی سمت کو مقدس سمجھنے والے یہودی کے متعلق گمان کرتے تھے کہ وہ کسی شئے پر نہیں کہ وہ مغرب کی جانب چہرہ کرنے کو نیکی سمجھتے تھے۔ ان دونوں کا ایک دوسرے کے متعلق اس قدر سخت موقف اختیار کرنے کا کوئی جواز نہ تھا کہ کتاب پڑھنے والوں کو یہ بات تو معلوم ہونی چاہئے تھی کہ وَلِلَّهِ ٱلۡمَشۡرِقُ وَٱلۡمَغۡرِبُۚ ''اور اللہ ہی کیلئے ہیں مشرق و مغرب''۔ اور یہ کہ سمتوں کی تو کوئی حیثیت نہیں کہ اس حوالے سے ایک دوسرے کو ملامت کی جائے کیونکہ فَأَيۡنَمَا تُوَلُّواْ فَثَمَّ وَجۡهُ ٱللَّهِۚ ''تم جدھر بھی منہ کرو گے ادھر اللہ ہی کی ذات ہے'' (حوالہ البقرۃ۔۱۱۵)

مدینہ میں اہل کتاب کو سمجھایا گیا

لَّيۡسَ ٱلۡبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمۡ قِبَلَ ٱلۡمَشۡرِقِ وَٱلۡمَغۡرِبِ

''نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف کرو'' (حوالہ البقرۃ۔۱۷۷)

بنی اسماعیل کو مشرق اور مغرب سے کوئی سروکار نہیں تھا۔انہوں نے کبھی بھی مشرق اور مغرب میں چہرے کرنے کو نیکی نہیں سمجھا۔اس لئے یہ نکتہ صرف یہود ونصاریٰ کو سمجھایا گیا ہے کہ مشرق اور مغرب میں چہرہ کرنے کو نیکی سمجھنے کا ان کا الگ الگ فلسفہ بے سروپا اور بے معنی ہے کہ مشرق اور مغرب کی سمت کا فلسفہ نیکی سے قطعی کوئی تعلق نہیں۔

اور بنی اسماعیل کے قِبۡلَةَ یعنی ٱلۡكَعۡبَةَ کو اسحاق علیہ السلام کی نسل اور تمام اقوام کیلئے بھی قِبۡلَةَ مقرر کر دیا گیا اور یوں اقوام عالم کو سمتوں کے تصورِ نیکی سے ہٹا کر ان کیلئے ایک محسوس مقام، ٱلۡبَيۡتَ ٱلۡحَرَامَ، ٱلۡكَعۡبَةَ کو مرکز اور نقطہ وحدت قرار دیا۔اور اس طرح ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کی نسلوں میں سے ایمان لانے والوں کو یکجا کر کے ایک بہترین امت قرار دے دیا گیا۔ارشاد فرمایا

وَكَذَٰلِكَ جَعَلۡنَٰكُمۡ أُمَّةٗ وَسَطٗا

''اور اس طرح ہم نے تمہیں (بنی اسماعیل اور اسحاق اور دوسری اقوام) ایک بہترین امت بنا (قرار دے) دیا'' (حوالہ البقرۃ۔۱۴۳)۔

آیت مبارکہ وَكَذَٰلِكَ سے شروع ہوئی ہے۔''اور اس طرح''یعنی کعبہ کو قِبۡلَةَ مقرر کرنے کا مقصود یہ ہے، نتیجہ یہ ہے کہ جَعَلۡنَٰكُمۡ ''ہم نے تمہیں کر دیا ہے۔ہم نے تمہیں ٹھہرایا ہے۔ہم نے تمہیں بنا دیا ہے۔ہم نے تمہیں مقرر کیا ہے''۔یہ ماضی کا صیغہ ہے جمع متکلم اور ''کُم''ضمیر جمع مذکر حاضر۔اس طرح واضح ہے کہ ٱلۡكَعۡبَةَ کو قِبۡلَةَ مقرر کرنے کے بعد یعنی اس حکم کے نتیجے میں أُمَّةٗ وَسَطٗا معرض وجود میں آئی۔ كُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ ''تم ایک بہترین امت ہو جو انسانوں کیلئے (نکالی) ''وجود پذیر'' کی گئی ہے'' (حوالہ آلِ عمران۔۱۱۰)۔(خودکش حملوں کی ترغیب دینے والے کیا اس امت میں ہیں؟)

ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کی نسلیں (اکثریت) ابراہیم علیہ السلام کی وصیت کو نہ صرف بھلا چکی تھیں بلکہ ان کے دیئے ہوئے نام سے اپنی شناخت اور پہچان بھی بدل چکی تھیں۔بتایا گیا وَوَصَّىٰ بِهَآ إِبۡرَٰهِـۧمُ بَنِيهِ وَيَعۡقُوبُ ''اور اسی بات کی وصیت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو کی اور یعقوب (علیہ السلام) نے بھی (ایسا ہی کیا)۔

يٰبَنِيَّ إِنَّ ٱللَّهَ ٱصۡطَفَىٰ لَكُمُ ٱلدِّينَ ''اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے دین چنا ہے فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسۡلِمُونَ اس لئے تم نہ مرنا سوائے اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو'' (البقرہ۔۱۳۲)۔اور یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آنے پر ان کے پوچھنے پر ان کے بیٹوں یعنی یوسف علیہ السلام اوران کے واجب الاحترام برادران نے عہد کیا تھا وَنَحۡنُ لَهُۥ مُسۡلِمُونَ ''اور ہم اسی کے فرمانبردار (مسلم) رہیں گے'' (حوالہ البقرہ۔۱۳۳)

آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کی دعوت پر بنی اسماعیل میں سے ایمان لانے والوں کے علاوہ بنی اسحاق (یہود ونصاریٰ میں شامل لوگ) میں سے ایمان لانے والوں کیلئے بھی ان کے جدامجد ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ ٱلۡكَعۡبَةَ کو قِبۡلَةَ مقرر کر کے انہیں واپس مِّلَّةَ إِبۡرَٰهِيمَ حَنِيفٗاۚ میں شامل کر دیا گیا۔اور ان تمام کی اپنی اپنی ذاتی پہچان اور تعارف کو ختم کر کے انہیں أُمَّةٗ وَسَطٗا قرار دے دیا گیا۔ ٱلۡكَعۡبَةَ کو (formally) قِبۡلَةَ مقرر (notify) کرنے سے تہذیبوں اور نسلوں کا سنگم ہوا۔ایک قوم کی نئی شناخت، نام اور پہچان ملنے سے ان لوگوں کو کیا حاصل ہوا؟ انہیں جو حاصل ہوا اس کے بالمقابل ہر شئے ہیچ ہے۔انہیں دنیا اور آخرت میں افضلیت حاصل ہوگئی۔ ٱلۡكَعۡبَةَ کو قِبۡلَةَ مقرر کر کے انہیں أُمَّةٗ وَسَطٗا بنانے کا مقصد اور نتیجہ یہ بتایا گیا ہے لِّتَكُونُواْ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيدٗاۗ ''تاکہ (تمہیں یہ فضیلت حاصل ہوجائے) تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور (خاتم النبیین) رسولِ کریم ﷺ تمہارے پر گواہ ہوجائیں'' (حوالہ البقرہ۔۱۴۳)۔ أُمَّةٗ وَسَطٗا میں شامل ہونے والوں کو یہ اعزاز اور فضیلت عطا کر دی گئی کہ ان میں ہر ایک اپنے اپنے زمان اور مکان کے دوسرے لوگوں پر گواہی دینے کا حق رکھتا ہے لیکن اس کے خلاف گواہی دینے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہوگا۔روز قیامت أُمَّةٗ وَسَطٗا کے افراد کے حق (اور مخالفت) میں گواہی دینے کا حق صرف اور صرف آقائے نامدار، رحمت للعالمین ﷺ کی ذات اقدس کو ہے۔

وَسَطٗا (مادہ ''و س ط'') کے لغوی معنی ہر چیز کا درمیانی حصہ، وسط، وہ نقطہ جو دونوں اطراف سے برابر فاصلے پر ہو۔محیط میں ہے کہ یہ اس درمیانی جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے تمام اطراف کا فاصلہ برابر ہو۔چونکہ ہر چیز کا اوسط (یعنی درمیانی نقطہ) نقطۂ اعتدال ہوتا ہے یعنی افراط وتفریط کے بالکل درمیان، اس لئے ہر عمدہ اور بہترین چیز کیلئے بولا جاتا ہے جیسے ہار کا درمیانی موتی نفیس ترین ہوتا ہے۔

أُمَّةٗ وَسَطٗا کے معنی اور مفہوم اس اعتبار سے ایک ایسی قوم کے ہیں جو انتہا پسندی کا راستہ اختیار نہیں کرتی اور اعتدال اور انصاف کے تقاضوں کی قدر کرتی ہے کہ وسط اور نقطۂ اعتدال کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہر کسی سے برابر فاصلے پر ہو۔افضل قوم کا پیمانہ حق ہے مفاد نہیں۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ''تم ایک بہترین امت ہو جو انسانوں کیلئے (نکالی) ''وجود پذیر'' کی گئی ہے

تَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ پسندیدہ کاموں کی تلقین کرتے ہو اور ناپسندیدہ کاموں سے منع کرتے ہو

وَتُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ ۗ اور اللہ پر اعتماد کرتے ہو' (حوالہ آلِ عمران ۱۱۰) انتہا پسند، خودکش حملہ آوروں اور مفاد پرستوں کو اللہ پر اعتماد نہیں ہوتا

آقائے نامدار ﷺ کی دعوت پر اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے لوگ ایمان لے آئے تھے۔ لیکن من حیث القوم أُمَّةً وَسَطًا میں شامل نہ ہوئے وَلَوْ ءَامَنَ أَهْلُ ٱلْكِتَـٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم ۚ ''اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا مِّنْهُمُ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ ٱلْفَـٰسِقُونَ ۝ ان میں سے ایمان لے بھی آئے ہیں اور ان میں (باقی) اکثر فاسق ہیں'' (آلِ عمران ۔۱۱۰)۔ فاسق پر کوئی دلیل، ثبوت، نشانی اثر نہیں کرتی۔

قِبْلَةَ مقرر کرنے کی ضرورت اور سوال اس وقت اٹھنا تھا جب بنی اسماعیل کے علاوہ ان قوموں کے لوگ ایمان والوں میں شامل ہو جاتے جن کا اس سے قبل بنی اسماعیل سے الگ اور مختلف قِبْلَةَ تھا۔ ٱلْأُمِّيِّـۧنَ یعنی آقائے نامدار ﷺ اور بنی اسماعیل کے قِبْلَةَ کو تمام کیلئے قِبْلَةَ قرار دینے کی وجہ آقائے نامدار کو یوں بتائی

وَمَا جَعَلْنَا ٱلْقِبْلَةَ ٱلَّتِى كُنتَ عَلَيْهَآ

''اور ہم نے مقرر نہیں کیا اس کو قِبْلَةَ جس ٱلْقِبْلَةَ پر آپ (ﷺ) ہمیشہ سے تھے

إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ ٱلرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ

سوائے اس مقصد کے لئے کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ کون (اس کے بعد بھی) رسول (کریم) کی اتباع کرتا ہے

اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے'' (حوالہ البقرۃ ۔۱۴۳)

ٱلْكَعْبَةَ کو قِبْلَةَ مقرر کرنا ان لوگوں کیلئے پہلا امتحان تھا جنہوں نے مدینہ منورہ میں ایمان لانے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ وہ ایمان لے آئے ہیں۔ بنی اسماعیل کے قبلہ کو تسلیم کرنا بنی اسحاق کے افراد کیلئے بظاہر ایک قربانی تھی کہ بگاڑ کے بعد ایک عرصے سے وہ مشرق اور مغرب کی سمتوں کو قِبْلَةَ تصور کرتے آئے تھے۔

''كُنتُ''، واحد متکلم ماضی معروف یعنی ''میں تھا''۔ عیسیٰ علیہ السلام نے كُنتُ میں دوام اور ہمیشگی کے مفہوم کو مَّا دُمْتُ فِيهِمْ سے محدود کیا فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ''پھر جب تو نے میرا وقت پورا کر دیا تو ہمیشہ تو ہی ان پر نگران تھا'' (حوالہ المائدہ۔۱۱۷)۔ حرف ''كُنتَ'' کی بحث کو پیچیدہ بنانے کی بجائے آیت مبارکہ میں اس کا دوام اور ہمیشگی کا مفہوم اس نکتے سے آسمان پر چمکتے سورج کی طرح واضح ہے کہ آقائے نامدار، رسولِ کریم ﷺ ٱلْأُمِّيِّـۧنَ ہیں اور ٱلْأُمِّيِّـۧنَ ہی میں مبعوث فرمائے گئے (حوالہ الجمعۃ۔۲) اور مشرق و مغرب جانتے ہیں کہ زمان میں تواتر سے ٱلْأُمِّيِّـۧنَ یعنی آقائے نامدار ﷺ اور بنی اسماعیلؑ کا ٱلْقِبْلَةَ ہمیشہ ٱلْكَعْبَةَ تھا اور ہے۔

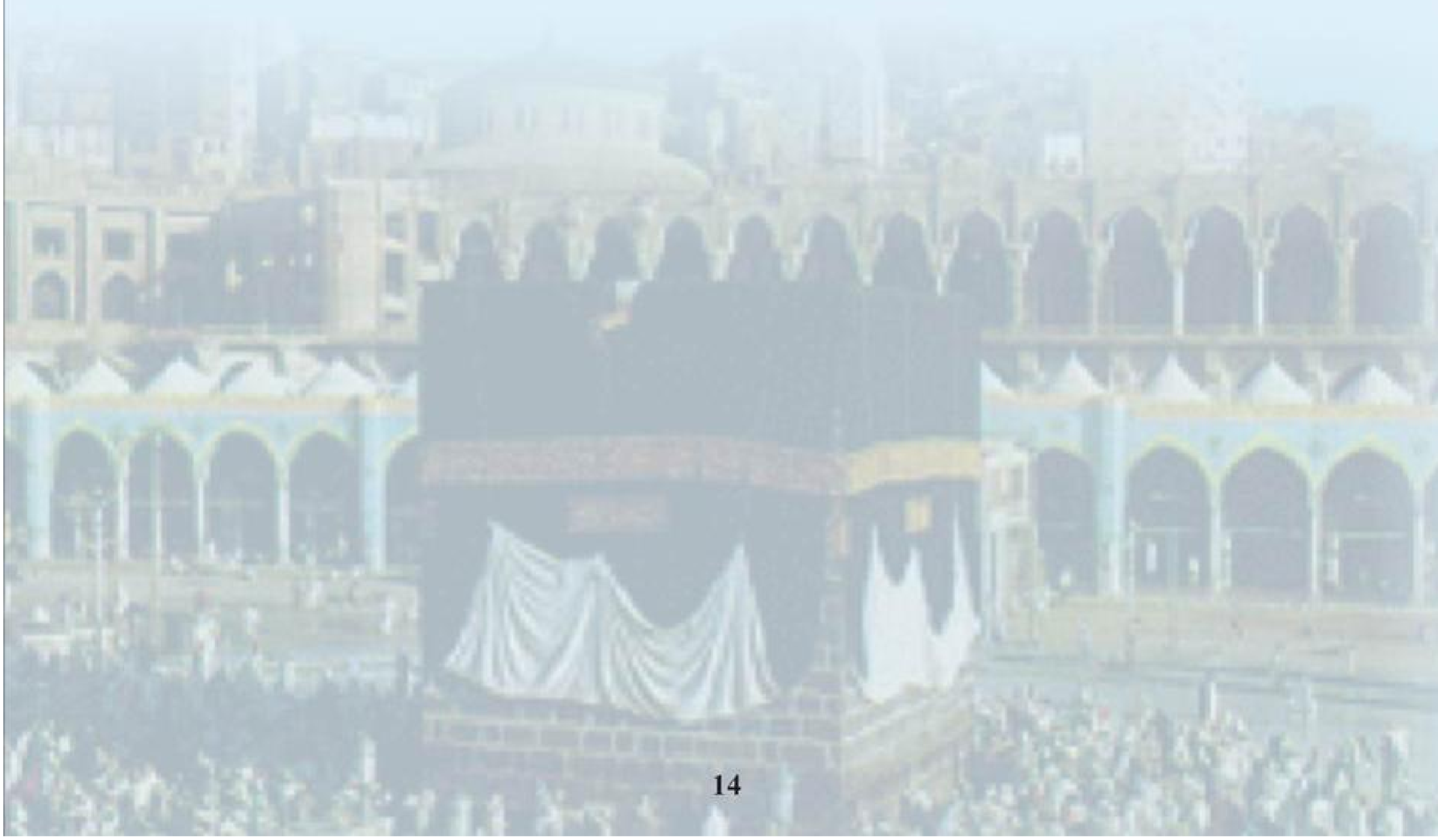

أُوْلَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ صَدَقُوا۟ۖ

''یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنا قول سچ کر دکھایا''

صَدَقُوا۟ ''صِدق'' سے ہے۔ جناب راغب نے المفردات القرآن میں کہا کہ ''الصِدق، الکِذب کی ضد ہے اور اصل میں دونوں قول کے متعلق استعمال ہوتے ہیں خواہ اس کا تعلق زمانہ ماضی یا مستقبل کے ساتھ ہو۔ پھر قول میں بھی صرف خبر کے لئے آتے ہیں''۔

صَدَقُوا۟ ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ یہ لوگ کون تھے؟ اور انہوں نے اپنی کس بات کو سچ کر دکھایا تھا؟

وَمَا جَعَلْنَا ٱلْقِبْلَةَ ٱلَّتِى كُنتَ عَلَيْهَآ ''اور ہم نے مقرر نہیں کیا اس کو قِبلَۃ جس ٱلْقِبْلَةَ پر آپ (ﷺ) ہمیشہ سے تھے إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ ٱلرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ سوائے اس مقصد کے لئے کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ کون (اس کے بعد بھی) رسول (کریم) کی اتباع کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے'' (حوالہ البقرۃ ۱۴۳)۔ بنی اسحاق میں سے ایمان لانے کا کہنے والوں نے انہیں مشرق اور مغرب کے تصور سے ہٹا کر ٱلْكَعْبَةَ کو قِبلَۃ بنائے جانے کے بعد بھی اتباع رسول ﷺ پر قائم رہ کر اپنے عمل سے اپنے ایمان لانے والے قول کو سچ کر دکھایا تھا اور ارشاد فرمایا وَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُتَّقُونَ ''اور وہی متقین ہیں'' (البقرۃ۔۱۷۷)۔ اور اس اصول کو ابدیت ہے کہ اپنے اعمال و افعال سے ایمان اور یقین کے قول و اقرار کو سچ ثابت کرنے پر نتائج کا انحصار ہے۔ فرمایا وَٱلَّذِى جَآءَ بِٱلصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِۦٓ ۙ أُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُتَّقُونَ ﴿٣٣﴾ ''اور وہ جس نے سچائی کو تسلیم کیا اور اس (اپنے قول) کو سچ ثابت کیا، وہی متقین ہیں'' (سورۃ الزمر۔۳۳)

وَمَا جَعَلْنَا ٱلْقِبْلَةَ ٱلَّتِى كُنتَ عَلَيْهَآ اور ہم نے مقرر نہیں کیا اس کو قِبلَۃ جس ٱلْقِبْلَةَ پر آپ (ﷺ) ہمیشہ سے تھے''۔ آیت مبارکہ کے اس جملے میں حرف ''كُنتَ'' واحد مذکر حاضر ماضی معروف ہے یعنی ''آپ ﷺ تھے''۔ یہ حرف دوام اور ہمیشگی کا مفہوم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان روز قیامت کی گفتگو سنیں

وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ

''اور (كُنتُ) میں تھا ان پر گواہ جب تک میں ان کے درمیان رہا''۔

یہودی انجیل کے سوا اس سے قبل نازل کردہ کتاب توریت کو مانتے ہیں اور توریت کی تصدیق کی بناء پر اُس سے قبل نازل کردہ کتابوں پر بھی ان کا ایمان ہے۔ قرآنِ مجید کے نزول کے بعد یہودیوں میں سے نیکی اس شخص کی تسلیم ہوگی جو اس ٱلۡكِتَـٰبِ پر ایمان لائے کیونکہ قرآنِ مجید پر ایمان لانے سے انجیل پر خود بخود ایمان لے آئے گا کہ قرآنِ مجید انجیل کے نزول کی تصدیق کرتا ہے۔

مکہ المکرّمہ میں بنی اسماعیل کو یہ بتانے کی ضرورت نہ تھی کہ ٱلۡكَعۡبَةَ ان کا قِبۡلَةَ ہے کیونکہ وہ خود یہ مانتے تھے۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں یہود و نصاریٰ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ نیکی اس شخص کی ہے جو توریت اور انجیل کو مانتا ہے کیونکہ اس بات کو تو کسی کے کہے بغیر بھی وہ مانتے تھے اور اس کے دعویدار ہیں وَإِذَا قِيلَ لَهُمۡ ءَامِنُواْ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ''اس پر ایمان لاؤ جو اللہ نے نازل کیا ہے'' قَالُواْ نُؤۡمِنُ بِمَآ أُنزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُونَ بِمَا وَرَآءَهُۥ تو کہتے ہیں ''ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا تھا اور اس کے علاوہ کا انکار کرتے ہیں'' (حوالہ البقرۃ۔۹۱)۔

اس نکتے کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ آقائے نامدار ﷺ کی تشریف آوری تک ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کی نسلوں کے بگڑنے کی جب بھی بات ہوگی تو اس کے معنی اور مفہوم ان دونسلوں کے افراد کی اکثریت مراد ہوگی تمام نسل نہیں۔ ان دو قوموں نے اگر چہ دنیا میں اپنی شناخت اور پہچان بھی ''مسلمان'' سے بدل کر دوسرے ناموں سے اختیار کر لی تھی لیکن ان میں سے مِّلَّةِ إِبۡرَٰهِـۧمَ سے کسی نہ کسی طرح وابستہ رہنے والے اپنے متعلق جانتے تھے کہ وہ ''مسلمان'' ہیں۔ ایسے اہل کتاب کے متعلق بتایا گیا کہ وہ ٱلۡكِتَـٰبِ پر ایمان لاتے تھے۔

وَإِذَا يُتۡلَىٰ عَلَيۡهِمۡ قَالُوٓاْ ءَامَنَّا بِهِۦٓ إِنَّهُ ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّنَآ

''اور جب ہماری آیات انہیں سنائی جاتی تو انہوں نے کہا ''ہم اس پر ایمان لائے، یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے،

إِنَّا كُنَّا مِن قَبۡلِهِۦ مُسۡلِمِينَ ۝

ہم تو اس سے قبل بھی مسلمان تھے'' (سورۃ القصص۔۵۳)

بنی اسحاق میں سے ٱلۡكَعۡبَةَ کو قِبۡلَةَ مان کر آقائے نامدار ﷺ کی اتباع پر قائم رہنے والوں کے متعلق مدینہ منورہ میں اس قسم کی چہ مگوئیاں ''آخر کس بات نے انہیں اپنے قبلہ سے بھی پلٹا دیا ہے'' کرنے والے منافقین کو واضح کر دیا گیا کہ مشرق اور مغرب کی سمتوں میں چہرہ کرنا کوئی نیکی نہیں۔ اور آیت مبارکہ کے آخر میں بتایا

اَلْكَعْبَةَ کوتمام کیلئے قِبْلَةَ مقرر کرنے اور بنی اسحاق میں سے ایمان لانے والوں کا اپنے ماضی کے سمتوں (مشرق اور مغرب) سے پلٹ کر اسے تسلیم کرنے اور اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے متعلق تمام بحث کو سمیٹتے ہوئے یہود و نصاریٰ اور آپس میں اس نکتے پر گفتگو کرنے والے منافقین کیلئے واضح فرمایا:

لَّيْسَ ٱلْبِرَّ أَن تُوَلُّوا۟ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ ٱلْمَشْرِقِ وَٱلْمَغْرِبِ

''نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف کرو

وَلَـٰكِنَّ ٱلْبِرَّ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ وَٱلْمَلَـٰٓئِكَةِ وَٱلْكِتَـٰبِ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ

بلکہ نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ، روزِ آخرت، ملائکہ، اس ایک کتاب (قرآنِ مجید) اور نبیوں پر ایمان لایا'' (حوالہ البقرۃ۔۱۷۷)

قرآنِ مجید کی سورۃ البقرۃ کی آیت مبارکہ ۱۷۷ کا روئے سخن (بنی اسحاق) یہود و نصاریٰ کی جانب ہے کیونکہ بنی اسماعیل کے افراد نے اسماعیل علیہ السلام سے لے کر آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کی تشریف آوری اور نزول قرآنِ مجید سے قبل اور بعد میں بھی کبھی مشرق اور مغرب کی جانب چہرے کرنے کو نیکی گمان نہیں کیا۔ اور نزول قرآنِ مجید کے زمانے (مکہ میں ۱۳ سال اور پھر مدینہ میں ۱۰ سال) میں اَلْكَعْبَةَ کوتمام کیلئے قِبْلَةَ مقرر کئے جانے کے وقت تک بنی اسحاق (یہود و نصاریٰ) کی اکثریت مشرق اور مغرب کی سمت میں چہرے کو نیکی سمجھتے تھے۔ اس بات کی نفی کر دی گئی کہ یہ اَلْبِرَّ نہیں ہے۔ اور اس کے بعد اَلْبِرَّ کی جامع تعریف (definition) نہیں بتائی بلکہ فرمایا ''نیکی اس شخص کی ہے'' اور اس کے بعد اس شخص کے اعمال و افعال بتائے جس کی بناء پر وہ افعال و اعمال اَلْبِرِّ کی تعریف (definition) کے زمرے میں آ گئے۔

آیت مبارکہ نے مشرق اور مغرب کی جانب چہرے کرنے کو نیکی کے زمرے اور تعریف میں سے خارج قرار دیتے ہوئے بتایا کہ ''نیکی اس شخص کی ہے'' جو اِس اِس بات پر ایمان لایا۔ اَلْبِرَّ کی بنیاد اور اولین شرط ان باتوں پر ایمان لانا ہے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ آیت مبارکہ ''ایمان'' کی تعریف (definition) بیان نہیں کر رہی بلکہ یہود و نصاریٰ کو سمجھا رہی ہے کہ نیکی کس شخص کی ہے۔ جس شخص کی نیکی بتائی جا رہی ہے اس کی ایک بات یہ بتائی کہ وہ ایمان لاتا ہے اَلْكِتَـٰبِ پر۔ (صرف اَلْكِتَـٰبِ یعنی قرآنِ مجید پر نہیں بلکہ نازل کردہ تمام کتابوں پر ایمان لانا ایمان کی تعریف میں شامل ہے)۔ قرآنِ مجید سے قبل نازل کی گئی کتابوں پر نصاریٰ کا پہلے سے ایمان ہے۔ اس لئے ان میں سے نیکی اس شخص کی تصور ہوگی جو دوسری باتوں کے علاوہ اس اَلْكِتَـٰبِ پر بھی ایمان لائے۔ اور

سے بھی کسی کو انکار ہو سکتا ہے کہ آقائے نامدار ﷺ کا منتہائے مقصود انسانیت کو مِلَّةِ ابراہیم پر لانا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر کردہ بیت اللہ کو ان تمام کیلئے قِبْلَةَ قرار دیا جاتا؟

کعبہ معظّمہ کو تمام لوگوں کیلئے قبلہ مقرر کئے جانے کا مقصد سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں یہ بتایا گیا:

وَمَا جَعَلۡنَا ٱلۡقِبۡلَةَ ٱلَّتِى كُنتَ عَلَيۡهَآ

''اور ہم نے مقرر نہیں کیا اس کو قِبْلَةَ جس ٱلۡقِبۡلَةَ پر آپ (ﷺ) ہمیشہ سے تھے

إِلَّا لِنَعۡلَمَ مَن يَتَّبِعُ ٱلرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيۡهِۚ

سوائے اس مقصد کے لئے کہ ہم یہ ظاہر کردیں کہ کون (اس کے بعد بھی) رسول (کریم) کی اتباع کرتا ہے

اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے'' (حوالہ البقرۃ۔۱۴۳)

کیا یہ مقصد حاصل کرلیا گیا تھا؟ آقائے نامدار ﷺ کی دعوت پر بنی اسحاق (یہود و نصاریٰ) میں سے دل کی گہرائیوں سے ایمان لانے والے مشرق اور مغرب کے تصورِ نیکی سے ہٹ کر ٱلۡكَعۡبَةَ کی جانب پلٹائے جانے پر امتحان میں کامیاب رہے تھے اور آقائے نامدار ﷺ کی اتباع پر قائم رہ کر انہوں نے اپنے ایمان کی پختگی کا مظاہرہ کردیا اور اپنے قول و اقرار اور دعویٰ کو سچ کر دکھایا تھا۔ان ایمان والوں کے متعلق منافقین باتیں بناتے تھے

سَيَقُولُ ٱلسُّفَهَآءُ مِنَ ٱلنَّاسِ ''لوگوں میں سے بیوقوف آپس میں کہیں گے اور کہتے رہیں گے۔

مَا وَلَّىٰهُمۡ عَن قِبۡلَتِهِمُ ٱلَّتِى كَانُواْ عَلَيۡهَاۚ '' کس بات نے انہیں اپنے اُس قِبْلَةَ سے پلٹا دیا ہے جس پر وہ ماضی میں تھے؟''

بنی اسحاق میں سے ایمان لانے والوں کا ماضی میں قِبۡلَةَ مشرق اور مغرب تھا۔اپنے ماضی کے قبلہ سے، ہٹ کر ٱلۡكَعۡبَةَ کو مان لیا تو بیوقوف (منافقین) اپنی قوم میں سے ان ایمان والوں کو بیوقوف سمجھنے اور گردانے لگے اور آپس میں باتیں بناتے کہ انہیں کس چیز نے اپنے ماضی کے قبلہ سے بھی پلٹا دیا ہے۔ آیت مبارکہ نے بتایا ہے کہ منافقین یہ بات ایمان والوں کو مخاطب کرکے نہیں کہتے بلکہ آپس میں یہ بات کہتے اور سوچ بچار کرتے۔ان بیوقوفوں کو وہی حقیقت بتانے کیلئے کہا گیا جو اللہ تعالیٰ نے آیت ۱۱۵ میں بتائی ہے۔

قُل لِّلَّهِ ٱلۡمَشۡرِقُ وَٱلۡمَغۡرِبُۚ ''آپ (ﷺ) بتائیں کہ اللہ ہی کیلئے ہیں مشرق و مغرب'' (حوالہ البقرۃ۔۱۴۲)۔اور

جب مکۃ المکرّمہ میں بنی اسماعیل ''اَلصَّلٰوۃَ'' پر ''قائم'' تھے اگرچہ اس اَلصَّلٰوۃَ کی حقیقت سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہی رہ گئی تھی تو واضح ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسحاق علیہ السلام کی نسل بھی بگڑے انداز میں اَلصَّلٰوۃَ کی پابند ہوگی لیکن دونوں میں فرق یہ تھا کہ بنی اسماعیل اَلْکَعْبَۃَ سے منحرف نہیں ہوئے تھے جبکہ بنی اسحاق کے ایک گروہ نے مشرق اور دوسرے نے مغرب کی سمت کو قبلہ تصور کرلیا تھا اور اس جانب چہرے کرنے کو نیکی گمان کرنے لگے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے بھی اَلْکَعْبَۃَ کو قِبْلَۃَ مقرر کرکے حقیقت میں انہیں ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر آنے کیلئے کہا تھا اور یوں یہ واضح کردیا کہ آقائے نامدار ﷺ کی دعوت کا منتہائے مقصود انسانیت کو مِّلَّةَ إِبْرَٰهِـۧمَ یعنی اللہ کے خلیل اور انسانوں کے امام ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر لانا ہے کیونکہ اس سے رغبت وہی ہٹاتا ہے جو اپنے آپ کو احمق بنانے پر تلا ہوا ہو۔

یہ متعصب خیال آرائی ہوگی اور تسلیم شدہ حقیقت کو مسخ کرنے کے مترادف ہوگا اگر کوئی یہ کہے کہ اَلْکَعْبَۃَ کو قِبْلَۃَ مقرر کرنے میں بنی اسماعیل میں سے ایمان لانے والوں کا امتحان لینا مقصود تھا کہ کون اتباع رسول کریم پر قائم رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ اس وقت کی بنی اسماعیل اور ان کے باپ دادا کی محبتوں کا محور اور مرکز اَلْکَعْبَۃَ تھا۔ اَلْکَعْبَۃَ کو تمام کیلئے قِبْلَۃَ مقرر کیا جانا ان کیلئے اعزاز تھا امتحان نہیں۔ یہ امتحان ان کا تھا جنہیں ان کے اور ان کے چند نسل قبل تک کے باپ دادا کے تصور کئے ہوئے قبلہ سے ہٹایا جارہا تھا۔ اَلْکَعْبَۃَ کو قبلہ قرار دینے سے ان کا امتحان لینا مقصود تھا جن کی اس سے قبل وابستگی کسی قبلہ سے تھی۔ اور جن لوگوں کا اَلْکَعْبَۃَ سے قبل کوئی قبلہ تھا ہی نہیں ان کیلئے کسی بھی مقام کو قبلہ مقرر کرنا باعثِ پریشانی نہیں ہوسکتا تھا کہ اس بات کو ان کا امتحان قرار دیا جاسکے۔ لیکن جو شخص ایک طویل عرصے تک کسی قبلہ سے وابستہ رہا ہو، چاہے وہ بات غلط ہی کیوں نہ ہو، اس کیلئے یہ بات بھاری ہوگی اگر اسے اس کے قبلہ سے ہٹایا جائے۔ ارشاد فرمایا وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى ٱلَّذِينَ هَدَى ٱللَّهُ ''اور بے شک یہ بات لوگوں پر (جو عرصہ سے مشرق ومغرب کو قبلہ تسلیم کئے ہوئے تھے) بھاری تھی سوائے ان پر جنہیں اللہ نے ہدایت دی''۔ (حوالہ۔ البقرۃ۔۱۴۳)

کیا اس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ آقائے نامدار ﷺ کے مبعوث کئے جانے کے دور میں ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے کعبہ معظمہ محض بنی اسماعیل کا قِبْلَۃَ تھا کیونکہ ان کی دوسری اولاد اسحاق علیہ السلام کی نسل یہود ونصاریٰ میں تقسیم ہوکر الگ الگ سمتوں کو اپنا اپنا قِبْلَۃَ تصور کرنے لگے تھے؟ اگر اس حقیقت سے انکار نہیں تو پھر کیا اس حقیقت سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ ان تینوں میں سے ایمان لانے والوں کیلئے کسی ایک مقام کو قِبْلَۃَ مقرر کئے بغیر انہیں ایک امت، امت وسطا کی لڑی میں نہیں پرویا جاسکتا تھا؟ اور کیا اس حقیقت